ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

بشریات کے تناظر میں "آگ کا دریا"

"AAG KA DARYA" IN THE PERSPECTIVE OF ANTHROPOLOGY

*کرن اسلم
پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
**ڈاکٹر نسیمہ رحمٰن
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT :

Qurat-ul-Ain Hayder is a great name of Urdu literature. A writer whose family represented three civilizations of Hindustan. Hayder's novel "Aag Ka Darya" has a special place in the world of Urdu literature .A novel that is representative not only of history and civilization but also of anthropology. In the novel, the society, culture, language, historical places and archeology of India can be examined in the perspective of anthropology .The language of the novel, the dialogues of the characters, the regional culture, civilization and religious symbols have incorporated Indian anthropology very well in this writing. The atmosphere of the novel describe the Vedic period to the Maurya dynasty, the Mughal era, the imperial period and finally the partition of India to events and their historical background. Three stages of time has been discussed according to the theory of Reincarnation. Same main characters represent all ages of these three eras.. Famous cities of Bharat and Pakistan, like Banaras, Lakhnow, Shrawsti, Uttar Koshal, Karachi etc. present their cultural and social Anthropology, Archaeology, Linguistic anthropology and Physical anthropology as well .

Key Words: *Anthropology, Civilization, anthropology of religion, Theory of Reincarnation. Language, History, Maha Bharat, Culture of Major Cities ,*

قرۃ العین حیدر کا نام آتے ہی اُردو ادب سے واقفیت رکھنے والے ہر ذہن میں ان کا ناول"آگ کا دریا" اُبھر آتا ہے۔ایک ایسا ناول؛ جس کا تذکرہ کیے بغیر اُردو ناول کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی؛اپنی مصنفہ کو اُردو ادب کی دنیا میں امر کر گیا ہے۔قرۃ العین حیدر کو اپنی دھرتی، تہذیب، ثقافت، زبان اور تاریخ سے خاص انسیت رہی ہے، جس کا ثبوت ان کا لازوال ناول"آگ کا دریا " ہے۔اس ناول کو برِ صغیر کی تاریخ کی ایک ایسی دستاویز کہنا غلط نہیں ہو گا جسے ایک مؤرخ کا نہیں بلکہ ایک ادیب کا ذہن اور قلم نصیب ہوا۔ایسی ادیبہ کا قلم، جن کا تاریخی شعور "آگ کا دریا" میں عروج پر دکھائی دیتا ہے۔

"آگ کا دریا" کو ہمیشہ وسیع کینوس کا ناول قرار دیا گیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہندوستان کی تین ہزار سال کے طویل عرصہ پر محیط تاریخ،تہذیب اوربشریات کی بنیادی جہات نمایاں کی گئیں ہیں۔برِ صغیر کے کلاسیکی، ازمنہ وسطیٰ، نو آبادیاتی اور جدید دور کا احاطہ چار مرکزی کرداروں؛ گوتم، چمپا، کمال اور سرل؛ کے ذریعے کیا گیا ہے۔یہ ناول جغرافیائی اکائی کے ساتھ قومی، لسانی،مذہبی تنوع اور مشترکہ ثقافت و تہذیبی اقدار کا عکاس بھی ہے۔قرۃ العین حیدر نے ہندوستان میں انگریز کی آمد، نو آبادیات اور ما بعد نوآبادیات کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا۔جب جدید ثقافت، انگریزی نظامِ تعلیم، علم و ادب، سیاست، حکومت غرض ہر جگہ بدیسی طرزِ حیات شامل ہو چکا تھا۔ناول میں پیش کیے گئے ادوار کی بابت ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> "ویدک دور سے مسلمانوں کی آمد(دورِمغلیہ) تک، زوالِ مغلیہ سے فیض آباد اور لکھنؤ کی سلطنت تک پھر ۱۸۵۷ء سے انگریزی سامراج تک آزادی کی تحریکوں اور بیسویں صدی کے بدلتے ہوئے ہندوستان سے تقسیمِ ہند کے بعد تک کے واقعات کااحاطہ کیا گیا ہے۔"[۱]

"آگ کا دریا" کو تخیل سے زیادہ، جاندار مشاہدے اور شان دار مطالعہ کی پیداوار کہا جا سکتا ہے۔ناول کا آغاز ٹی ایس ایلیٹ کی نظم "The Dry Salvages" کے اُردو ترجمہ سے ہوتا ہے۔یہ نظم پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد۱۹۴۱ء میں منظرِ عام پر آئی تھی؛ جو کہ انسان کی شکست، بے وقعتی اور بے سمتی کو ظاہر کرتی ہے۔ایلیٹ کا خیال تھا کہ اب انسان ایسے مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں اس کی نشو ونما کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔یہ دور مذہب اور فلسفہ کی تشکیل کردہ اقدار کے خاتمے کا دور تھا۔یعنی مایوسی کے موضوعات کا دور، جب کہ اس ناول کے موضوعات کی وسعت حیرت انگیز حد تک متنوع ہے۔ تاریخ، فلسفہ، تصوف، موسیقی، اداکاری، مصوری، مجسمہ سازی، ادب، مذہب، ذات پات، نسلیات، معاشرے میں انسان کی حیثیت اورزمان و مکاں پر تفصیلی بحث ناول کی پوری فضا میں رچی بسی دکھائی دیتی ہے۔یہ تمام موضوعات، علم الانسان یعنی بشریات کا اہم جزو ہیں۔ناول کے متنوع موضوعات کو مدِ نظر رکھا جائے تو قرۃ العین حیدر کی تہہ دار شخصیت کی کئی پرتیں کھل کر سامنے آتی ہیں اور ان کی دیگر صلاحیتیوں اورعلوم کی جانکاری کے بارے میں بھی قاری واقفیت حاصل کرتا ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر جمیل اختر لکھتے ہیں:

> " ان کی تحریروں میں تنوع اور کشادگی ہے۔اس کی وجہ سے ان کی تحریروں میں مختلف العلومی کی دنیائے معنی کاایک ایسا اجتماع دیکھنے کو ملتا ہے، جس کی تفہیم یک رخی نہیں ہوتی بلکہ اس میں ان کا تاریخی شعور، مشرق و مغرب کی تمام بڑی تہذیبوں کی عکاسی کے ساتھ پوری انسانیت کے ماضی و حال کا آئینہ دکھائی دیتا ہے۔اسی سطح پر ان کی حسیت اپنی مخصوص تہذیبی شناخت کے ساتھ ساتھ اردو فکشن کو ایک نئے بین الاقوامی تناظر سے متعارف کرانے کا وسیلہ بھی بن جاتی ہے۔" ۲

ناول کی فضا کو؛ ویدک دور سے موریہ خاندان کی حکومت، مغلیہ عہد، سامراجی دوراور آخر میں تقسیمِ ہند کے واقعات اور ان کے تاریخی پسِ منظر تک؛ بشریات کی مذہبی، لسانی، ثقافتی اور آثاریات کی بنیادی جہات کے ساتھ بآسانی پرکھا جا سکتا ہے۔ناول کے فنی لوازمات اور فکر وفلسفہ پر اب تک بہت تفصیلی بحثیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔یوں بھی ہمارا موضوع ناول کے بشریاتی پہلو اجاگر کرنا ہے۔اس لیے یہاں ناول میں پیش کیے گئے انسانی معاشرت کے ارتقا، ثقافت، لسانیات، مذہب اور آثاریات پر بات کی جائے گی۔ناول میں بشریات کی بنیادی جہات کی مثالیں بہت کثرت سے اور نمایاں ملتی ہیں۔یہ انسانی تاریخ و تہذیب کی ایک طویل کہانی کا ہی بیان نہیں ہے بلکہ دنیا میں انسان اور انسان کے تعلقات کی نوعیت میں، معاشرت کے مختلف انداز،اس کا فکری ارتقا اور اس کے مقام کا تعین کرنے کی کوشش بھی ہے۔

آغاز میں پیش کی جانے والی نظم نظریہ تناسخ کو پیش کرتی ہے اور ناول میں بھی یہ نظریہ اپنی گہرائی کے ساتھ زیرِ بحث لایا گیا ہے۔نظریہ تناسخ،خاص ہندو مت کی علامت ہے۔آواگون کے بارے میں ناول بیان کرتا ہے کہ۔۔۔"روح کا آواگون نہیں محض کرم کا آواگون ہے۔انسان اس طرح دفعتاً بجھ جاتا ہے جیسے چراغ کو پھونک مار کر گل کر دیا جائے۔"۳ ناول کے آغاز ہی میں نظم کی صورت ہمیں مذہبی بشریات کا پہلو دکھائی دے جاتا ہے۔ مذہبی بشریات مختلف مذاہب کی عبادات، عقائد، توہمات، مذہبی تہواراور ان کے رسم و رواج کا مطالعہ کرتی ہے اور کسی مخصوص معاشرے میں اس کے مذہب کی وساطت سے اس کی اہمیت کا اندازہ کرتی ہے۔ناول میں تین بڑے مذاہب؛ ہندو مت، بدھ مت اور جین مت کی مذہبی علامات ا ور اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں،جن کا بیانیہ ویدانت، سے متعلق ہے۔اس کے علاوہ عیسائیت اوراسلام کے بھی کچھ حوالے موجود ہیں۔ناول میں ہمیں بر صغیر کے بڑے مذاہب کے حوالے سے تخلیقِ کائنات اور ارتقا کے بارے میں بھی سب کے نظریات مختلف سطح پر دکھائی دیتے ہیں۔ایک گروہ کا ماننا تھا کہ پہلے خلا تھا جس میں کائنات کا ظہور ہوا۔یہ نظریہ خدا پرستوں کا تھا۔جو وحی اور الہام پر یقین رکھتے تھے۔پنچ راتری، وشنو کو ذاتِ حقیقی سمجھتے تھے اور لکشمی کریہ شکتی کے طور پر مشیتِ ایزدی اور بحیثیت بھوت شکتی کائنات کی ماں تھی۔ناول میں مسلمان صوفیا کا تذکرہ بھی مذہبی نظریات کے بیان میں موجود ہے۔

> "چند اور درویشوں نے اسے بتایا: آخری حقیقت خیال ہے۔خدا کے جلال و جمال اور کمال کے ذکر کی گونج
> اس نے کنجوں میں سنی، کیوں کہ یہ ہندوستان تھا۔یہ فرید الدین عطارؒ اور ہجویریؒ اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

اور بہاء الدین زکریاؒ اور جلال الدین سرخ پوشؒ اور معین الدین چشتیؒ اور قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ملک تھا۔اور کون بد قسمت ہو گا جو اس ملک میں آ کر بھی وہ نہ پا سکے جس کی اسے تلاش تھی۔" ۴

ہندو مت کی مذہبی کتابوں، مذہبی رسومات، عقائد اور نظریات کا یہاں کے رہنے والوں کی زندگی اور معاشرتی نظام میں عمل دخل بھی واضح کیا ہے۔

"گرو کے جاگنے سے قبل طلوعِ آفتاب سے پہلے اُٹھ بیٹھتا۔ندی پر جا کر نہانے کے بعد، جنگل کے خاموش ترین حصّے میں بیٹھ کر عبادت کرتا۔درختوں کے مقدس کنجوں سے، جو دیویوں اور دیو تاؤں کے نام سے معنون تھے، اس سریلے سے کے بھجنوں کی آوازیں بلند ہوتیں۔عبادت کے بعد گوتم آبادی میں جا کر دن بھر کی خوراک کے لیے بھیک حاصل کرتا، پھر لکڑیاں چن کر لاتا اور گرو کی کُٹی کی آگ روشن کی جاتی --برہماچاریہ کے قوانین کٹھن تھے۔گوتم کو شروع سے سکھلایا گیا کہ وہ عطر پھول استعمال نہیں کر سکتا۔ سُرمہ لگانے، جوتا پہننے، بارش یا دھوپ میں چھتری لے کر چلنے کی سخت ممانعت تھی۔دریا پار کرنے کرنے کے لیے وہ کشتی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔اسے بتایا گیا تھا کہ طالب علم کو دن بھر کھڑا رہنا چاہیے---مرگھٹ اور سڑک کے کنارے بیٹھ کر پڑھنا منع تھا۔" ۵

قدیم ہندوستان سے لے کر جدید دور تک کے مختلف نمایاں مذہبی کرداروں کے نظریات، کہانی کی بنت کا خاص حصّہ ہیں۔کوئی ہندو ہونے کے باوجود خدا کی وحدت پر یقین رکھتا تھا اور کوئی دہریہ تھا۔شنکر اچاریہ کے فلسفے کا مرکز وحدانیت تھی۔بدھ مت کا قول تھا کہ خدا اور روح، دونوں کا ہی وجود نہیں۔کپل دہریہ تھا۔اس کے نزدیک تخلیق اور ارتقا خدائی کارنامہ نہیں بلکہ مادے کی فطرت تھی۔ویدانت والے وحدت الوجود کے قائل تھے۔غرض کسی کا ایک خدا تھا اور کسی کے کئی خدا۔خداؤں کی فوج کی فوج تھی، جو بقول مصنفہ ہر طرف کودتی پھاندتی پھر رہی تھی۔خوفناک عفریت نما دس ہاتھ والی سیاہ فام ڈائنیں،---چاند اور سورج، آگ اور بادل، ہاتھی کی شکل والا اور بندر کی شکل والا، ناگ، کچھوے اور تیرتھ، میلے اور یاترائیں اور تہواروں کا غل غپاڑہ اور خونی قربانیاں اور جادو منتر اور ٹونے ٹوٹکے کا ایک ہنگامہ بپا تھا۔

ناول میں "مہا بھارت" کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔"آگ کا دریا" چوں کہ ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی تاریخ کا بیان ہے اور "مہا بھارت" ہندوستانی تاریخ کی اہم ترین دستاویز۔مہا بھارت کو اگر بشریاتی دستاویز کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کیوں کہ اس مذہبی کتاب کے موضوعات بشریاتی اہمیت کے حامل ہیں۔مذہبی طور پر اس خطہ زمین پر ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، یہودی اور بودھ موجود تھے۔دنیا کا کوئی عقیدہ نہیں جس کے پیروکار یہاں نہ ہوں۔

ثقافت کے بغیر وجود اظہار نہیں پا سکتا۔ثقافت ہی وہ طاقت ہے جو مذہب کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ثقافت تبھی نمایاں ہوتی جاتی ہے جب جب وجود نمایاں ہو۔مذہبی تہوار جہاں مذہب سے تعلق رکھتے ہیں وہیں ان کی جغرافیائی حیثیت بھی الگ پہچان رکھتی ہے۔ضروری نہیں کہ کسی مذہب کے سب تہوار دنیا کے ہر ملک میں ایک ہی انداز سے منائے جاتے ہوں۔ان تہواروں پر بھی علاقائی ثقافت کا اثر ضرور آتا ہے۔کثیر المذاہب خطہ ہونے کی وجہ سے ناول میں ہندو، مسلم، عیسائی وغیرہ کے تہواروں کا تذکرہ ملتا ہے۔

"چھوٹی اور بڑی دیوالی منائی گئی---بھیا دوج کا تہوار آیا۔ہری شنکر قالین پر چڑھا بیٹھاتھااور نرملا اس کے ماتھے پر تِلک لگا کر مٹھائی پروس رہی تھی---اس نے منتر دہرایا، پھر اگھن اور پوس کے پالے سے درختوں پر چاندی کے پتر چڑھا دیے--گاؤں میں نوٹنکیوں کے گیت گونجے---سفید اُنگی ساریاں پہنے عیسائی عورتیں گاتی پھریں: اوہو مسیح آیا سر آسمان---سر آسمان--بسر آسمان---کھچڑی کا تہوار آیا تو لوگ ماگھ میلانہانے تربینی چلے۔بسنت پنچمی میں گھر گھر سر سوتی پوجا کی گئی---محرم کا ہنگامہ ہوا۔گھر گھر گھاس اور موم اور کاغذ کے تعزیے تیار کیے گئے---امام باڑوں میں چراغاں ہوا---مارچ کے مہینے میں ساری فضامیں گلال اور عبیر سے سرخ ہو گئی۔کرشنا کی مورتی کو جھولوں میں بٹھایا گیا۔" ٦

دنیا کے ہر مذہب میں قربانی کا تصور بھی کسی نہ کسی طرح موجود رہا ہے۔اس تصور کے پیچھے جو مقصد کارفرما رہا وہ دیوی، دیوتاؤں اور خدا کی خوشنودی کا حصول تھا۔ قرۃالعین حیدر نے ناول میں قربانی کے اس تصور کے بارے میں بھی نظریات پیش کیے ہیں۔برہمنوں کے ہاں بھی معرفت کے فلسفے اور اس کے ارتقا میں جانوروں کے خون بہانے کو دخل رہا۔ان کی کوئی عبادت قربانی کے بغیر مکمل نہیں ہوا کرتی تھی۔ہندی اساطیر میں اشو میدھ (گھوڑے کی قربانی) کی خاص اہمیت ہے۔"سام وید کے اُصولوں کے مطابق قربان گاہ ایک زبردست رمزیت کی حامل تھی اور کائنات کی کلیّت اور اس کے بقا کی علامت تصور کی جاتی تھی۔چکرورتی راجا کے لیے گھوڑے کی قربانی لازم تھی۔" ۷

"آگ کا دریا" بشریاتی لحاظ سے،اپنے آغاز ہی سے ایسے مقامات، کردار اور علامات کو سامنے لاتا ہے جن کا تعلق قدیم ہندوستانی ثقافت، مذہب، زبان اور تہذیب اور تمدن سے بہت گہرا ہے۔شراوستی اور پاٹلی پتر میں سر سبز و شاداب ہونے والی وہ تہذیب، جس کے پسِ منظر میں وید اور پرانوں کے حکمت سے بھرپور اقوال اور منتر ملتے ہیں۔گوتم، رام، کرشن جیسی عظیم شخصیات نظر آتی ہیں۔منو، چانکیہ، موریہ، کالی داس اور ہری ملتے ہیں۔ایودھیا، مگدھ،پاٹلی پتر، کاشی، کپل وستو،پریاگ، جونپور، بہرائچ،لکھنؤ، بنارس کی دنیا دکھائی دیتی ہے جہاں حکمت و فلسفہ کے دریا بہتے ہیں۔نٹ شاستر، ناٹیہ، نرتیہ اور بھرت منی کے حوالے سامنے آتے ہیں۔اس کے بعد مسلمانوں کی آمد اور پھر انگریز کی آمد سے ثقافت اور زبان میں در آنے والی جدت نظر آتی ہے۔

لسانی بشریات کسی بھی ثقافت کے ارتقا، پس منظر اور عہد کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ ناول میں پیش کیے جانے والے کرداروں کے مکالمے کی زبان اپنے خِطے اور عہد کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ساتھ ہی ساتھ ناول نگار کے اندازِ بیان میں بھی ہندی الفاظ کا استعمال کثرت سے موجود ہے۔اگر کہا جائے کہ ہندی زبان، جملے کی ساخت اور اس کے تلفظ، روزمرہ اور محاورے سے اچھّی واقفیت کے بغیر ناول کو پورے طور پر سمجھنا مشکل ہے تو غلط نہیں ہو گا۔ناول کے آغاز ہی سے ایسے جملے نظر سے گزرتے ہیں جو علاقائی اور ثقافتی ماحول کی نمائندگی کرنے کے ساتھ ساتھ کرداروں کی ذہنی و فکری سطح کو سامنے لاتے ہیں۔مثال کے طور پر:

"کوئی وِدیار تھی جان پڑتا ہے" ۸

"باہمن بے چارے کریں بھی تو کیا۔۔۔پڑھنا تو ان کے بھاگیہ میں لکھا ہے۔"۹

"ایک برہمن برہمچاری ہمارے دوار پر آئے ہیں۔۔میں تو کہتا ہوں ماں باپ اب اپنی لڑکیوں کی شادی بیاہ کی فکر سے بھی نِش چنت ہوگئے۔"۱۰

"اگر تم اصلیت چھپانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی آپتی نہیں۔۔۔نام آوازوں کی ایک سشٹی ہے گوتم بھائی۔۔۔ہری شنکر کیا تم کرشن واسودیو کے بھگوت ہو؟" نہیں میں اس سمپاٹّر پچھم کی اور سے آ رہا ہوں جہاں شِو کی ارادھنا کی جاتی ہے۔"۱۱

"ساون کی پورنماشی آ گئی تھی" ۱۲

اسی طرح شراوستی کے کھنڈروں میں گھومتے ہوئے ابو المنصور کمال الدین جب ایک بلند و بالا ویران عمارت کا جائزہ لیتا ہے اور عمارت کی شان و شوکت دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ مکان کس کا رہا ہو گا؟ اس تجسس میں وہ اس عمارت کے بارے میں وہاں سے گزرتے ایک دیہاتی سے سوال پوچھتا ہے کہ یہ مکان کس کا ہے؟ یہاں کے راجا کا تو نہیں؟ اس بات پر دیہاتی جواب دیتا ہے:

> " راجا کا۔۔" دیہاتی کھکھلا کر ہنسا گویا بہت بڑا لطیفہ اس نے سنا ہے۔" ارے راجا کا مکنوا اتنا چھوٹا۔۔؟ راجا کے محلوا پر تو ہل چل گئیں۔ ای تو ہجارن برس پرانی حویلی ہوئے۔۔۔پُرکھن سے سُنے ہن ای ما کوؤ باہمن پروہت رہے۔ان کا لڑکوا ہو بڑا وِدوان رہا۔"اس لڑکے کا نام جانتے ہو؟" " ہم کا جانی۔۔ ہم پنچ نام ناہیں یاد رکھت ہن۔نام مٹ جات ہیں۔کھالی کھدائے کا نام امر ہو۔۔"۱۳

ابو المنصور کمال الدین جو مؤرخ بننا چاہتا تھا، سلطان کی خواہش پر تاریخ لکھنے کے لیے ہندوستان میں ادھر اُدھر گھومتا پھرتا تھا، اسی آوارہ گردی میں بنارس پہنچ چکا تھا۔دن بھر بے مقصد گھومتے رہنے سے جب اس کے پیروں میں مزید چلنے کی سکت نہ رہی تو جنگل کے اختتام پر موجود، جولاہوں کی بستی میں جا رُکا۔بستی کی چوپال کی طرف بڑھا تو ایک اہیر نے اسے سر جھکائے جاتا دیکھ کر کہا: "بھیا لگت ہے تم بہوت دور سے آئے رہے ہو۔تمرے پیرن ماماٹی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

کتنی لاگی ہے۔" ۱۴ کمال الدین سے بات کرنے والے مقامی کی زبان اس کے علاقے کی نمائندہ تو ہے ہی،اس کے ساتھ یہاں یہ بھی قابلِ غور ہے کہ قرۃ العین نے اُردو کا عام لفظ " گوالا" استعمال کرنے کے بجائے سنسکرت کا لفظ "اَہیر" استعمال کیا ہے۔لسانی بشریات کے تحت ہی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اگر ایک طرف شراوستی کے دیہاتی کی زبان اور لب ولہجہ پیش کیا گیا ہے اور دوسری طرف بنارس کے ایک گوالے کی زبان بھی اس کی نمائندہ بنائی گئی ہے۔صرف یہیں یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا، ٹکسالی اور بیگماتی زبان میں بھی مکالمے ملتے ہیں۔

"ایک مرتبہ حسینی خانساماں کی بی بی نے کہا اے بہنی۔۔ کبھی کھڑے پائنچے بھی تو پہن کر دیکھواور قمرن نے ہونٹ پچک۔ کر جواب دیا تھا۔۔ہم کوئی پتریاں ہوں۔جو ای پہناوا پہنی۔۔لہذا بہن قمرن اپنی گاڑھے کی سفید دھوتی ہی پہنا کیں اور اسی طرح گھونگھٹ کاڑھے گھومتی ہیں جیسے آج ہی بیاہ کر آئی ہوں۔نہ کبھی شہر کی مہریوں کی طرح اُنھوں نے آتی ہوں، جاتی ہوں والی زبان سیکھی۔۔۔شہرن کی بیبیاں پترین ایسی ہوت ہیں۔ سارا پہناوا بھی پترین ایسا باٹے۔قدیر اِن کے بھولے پن پر بہت ہنسے اوران کو دنیا کے حالات سے آگاہ کیا کہ یہ پترین کی بولی نہیں۔یہ ٹکسالی اور بیگماتی زبان کہلاتی ہے۔" ۱۵

لسانی بشریات ،ثقافتی بشریات کا لازمی حصّہ ہے۔ سماجی و ثقافتی بشریات میں کسی بھی معاشرے میں پنپنے والے فنون خاص مقام رکھتے ہیں۔ہندوستانی موسیقی کو مذہبی بشریات میں خاص مقام حاصل ہے۔جس کی وضاحت میں مذہبی اساطیر ی زبان کی صورت میں لسانی بشریات کا تعلق بھی اس سے جڑ جاتا ہے۔اساطیری زبان میں ایک ہی معنی کو مختلف علامتوں کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور ان علامات کو مختلف مقامات کے مطابق سمجھا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کسی بھی لفظ کے معنی محدود نہیں ہو تے۔لسانی بشریات کے ذریعے ہی اس خطے کے اساطیری پہلو اور ہندوستانی موسیقی سے وابستہ مذہبی پہلو کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

"یہ بڑی انوکھی راس لیلا ہے۔یہ بڑا اُتم شرنگا ر رس ہے۔لڑکیاں سازوں پر چھایا راگ رہی ہیں۔سبز طوطے پر سوار کام دیو اپنا پھولوں کا بان چلاتا ہیاور پراکرتی مایا بن جاتی ہے۔شِو کی تیسری آنکھ کے شعلے نے کا م دیو کو جلا کر بھسم کر دیا تھا لیکن کام دیو تو انگ ہے۔انسانوں کے دلوں میں موجود ہے، شِو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔۔اُس نے شِو کی مانند رقص کیاایک سو آٹھ مختلف مظاہرے کیے۔اس نے آٹھوں رس دکھلائے۔ یہ وشنوکا شرنگا ررس ہے۔یہ اِندر کا ویر رس۔یہ یم کا کرونا۔یہ رورا کا رور رس۔یہ کال کا بھیانک رس ہے۔یہ گندھرو کا اُوبھٹ رس ہے۔یہ شانت رس ہے۔یہ شِو کا رقص ہے۔اس کی زراؤں میں کائنات کا سارا عملِ ارتقا مضمر ہے۔اس کی زبان سارا اظہار ہے۔اس کا لباس چاند اور ستارے ہیں۔شِو جو مجسم تان ہے اور مجسم سنگیت، جو آفاقی لے کا مظہر ہے۔" ۱۶

موسیقی کی رنگ آمیزی کے ذریعے قرۃ العین حیدر نے ناول میں معنوی تہہ داری کامیابی سے تخلیق کی ہے۔ناول کی فضا بندی کے لیے موسیقی کے سر تال اور رقص کے انداز کے بیان سے پُر اثر ماحول سازی کی گئی ہے۔اس حوالے سے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

"کائنات ان گنت سازوں کی جھنکار سے گونج رہی ہے۔راگ تخلیق ہو رہے ہیں۔ جن کی ہر دیپ سے آواز کی دنیا جھلملا اٹھی ہے۔فضاے بسیط میں بھیرو، مالکونس، ہنڈول، میگھ،دیپک، سری کے دیو گرج رہے ہیں۔ اساوری اور رام کلی کی نازک پریاں ہوا میں پر پھیلاتی ہیں، جنگل کے پرندے اور جانور بھی شاعر اور موسیقار کے ساتھی اوردوست ہیں، ان کی آواز ان کے رنگ اور ان کی چال کو رقص و نغمہ کے تخیل میں محیط کر لیا گیا ہے۔۔"ناٹیہ، نرتیہ اور نرت کے سام گیت میں اس نے خود کو سمو دیا۔۔ میگھ،سری،ہنڈول،توڑی، چھایا، للت، شررنگا رس کے، محبت کے راگ ہیں۔۔جسم کی حرکات ایک سو آٹھ انداز کی ہے۔جس طرح

گائیتری منتر ایک سو آٹھ دفعہ پڑھا جاتا ہے یا آرتی کے پردیپ میں ایک سو آٹھ چراغ روشن ہوتے ہیں۔اسی طرح نٹ راج کے ایک سو آٹھ مختلف ناچ ہیں۔" ۱۷

قرۃ العین حیدر کی موسیقی سے اس قدر شدھ بدھ ظاہر کرتی ہے کہ انھوں نے موسیقی کا باقاعدہ طور پر علم حاصل کر رکھا تھا۔انھیں بچپن ہی سے موسیقی سے بے حد لگاؤ تھا۔ڈاکٹر جمیل اختر اس بارے میں رقم طراز ہیں:

"قرۃ العین حیدر کو موسیقی اورمصوری سے بچپن سے ہی دلچسپی رہی ہے۔ میٹرک میں ہندوستانی موسیقی کا مضمون لیا جو میرس کالج آف ہندوستانی میوزک لکھنؤ کے سیکنڈ ائیر کے کورس کے برابر تھا۔جس میں ستار، گائیکی، تھیوری آف میوزک کے تین الگ الگ پرچے شامل تھے۔پھر اس شوق کو مختلف استادوں سے تعلیم حاصل کر کے جلا بخشی۔۔۔انھوں نے اپنے فکشن میں مصوری اورموسیقی کی رنگ آمیزی سے اپنی تحریر میں جاذبیت اورمعنوی تہہ داری پیدا کی۔" ۱۸

ایسی بے شمار مثالیں "آگ کا دریا" سے بآسانی دی جا سکتی ہیں،جوبشریات کے لسانی پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے، زبان کے ذریعے انسانوں کے باہمی تعلقات، ان کے مذہب اور ثقافت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ایک زبان بولنے والے افراد کے جملوں میں کسی دوسری زبان کے اختلاط سے بننے والی مرکب زبان کا پس منظر، ثقافتی تبدیلی اوراس عہد کے مطالعہ میں مددگار کا کردار ادا کرنا بھی لسانی بشریات کا خاصا ہے۔بیک وقت دو زبانوں کو ملا کر بولنا، برِصغیر پاک و ہند کے خطے کی لسانی ثقافت کی خصوصیت بن چکا ہے۔یہ خصوصیت کوئی نئی نہیں ہے۔انگریز سرکار کی آمد کے بعد یہاں اُردو، ہندی، پنجابی وغیرہ کے ساتھ انگریزی الفاظ بڑی روانی سے استعمال کیے جانے لگے تھے۔اُردو بولنے والے افراد کی باہمی گفتگو ہو یا پنجابی اور ہندی بولنے والے کی آپس کی بات چیت، ہر کسی کے جملے میں ایک، دو انگریزی الفاظ کا آنا ایک معمول کی بات بنتے بنتے اس خطے کے تمام افراد کی روزمرہ کا حصّہ بن گیا۔ایک طرف قدیم تہذیب اور ثقافت کی زبان ہے تو دوسری جانب ناول میں جدید دور کی مرکب زبان کے جملے بھی جا بجا ملتے ہیں، مثلاً:"ہندوستان کو جب سے آزادی ملی تھی، کلکتہ کی مارکیٹ بھی ڈاؤن ہو رہی تھی۔"۱۹ قدیم سے جدید کے سفر میں جہاں وقت، تہذیب اور حکمرانوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ زبان میں ہونے والی تبدیلی کو ناول کے اُسلوب کاحصّہ بھی بنایا گیا ہے، وہیں قدیم عہد کی نمائندگی میں الفاظ کا انتخاب اور جملے کی ساخت، جدید عہد کے نمائندہ الفاظ سے مختلف ہے۔

"۔۔۔اب مختلف قوموں کی کلچرل ایوننگز کا دور شروع ہوا جب مختلف ایشیائی قوموں کے طلبا جمع ہو کر بڑی شدید کوشش کرتے کہ سفید فام طالب علموں کو اپنی اپنی تہذیب کے قدیم ترین ہونے کا ثبوت دے سکیں۔" ۲۰

ناول میں زبان کے بارے میں خود قرۃ العین حیدر نے ایک سنجیدہ بحث بھی پیش کی ہے۔زبان کے معاملے میں پیش آنے والے مسائل کا زیادہ تعلق عموماً شہری آبادی سے ہوا کرتا ہے،کیوں کہ دیہات کے باسی اپنی زبان میں دوسری زبان کا کوئی لفظ شامل کیے بغیر ہی بات کرنے کے عادی رہتے ہیں۔اس کے علاوہ زبان کو مذہب اور قوم کے ساتھ وابستہ کیے جانے کا نظریہ بھی عام طور پر شہر اور تعلیم یافتہ طبقے کہ طرف سے سامنے آتا ہے۔

"زبان کا مسئلہ ہماری کتنی بڑی بد قسمتی رہی ہے۔ہندوستان سے مڈل کلاس مسلمان کے قدم اُکھڑنے کی دوسری وجہ سنسکرت آمیز ہندی زبان کا تسلط ہے۔اپنی زبان کی تباہی کسی قوم کے لیے سب سے بڑی ٹریجڈی ہے۔انسان اپنی دولت لُٹتے دیکھ سکتا ہےمگر اپنی زبان اور تہذیب کی بیخ کنی برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔زبان کا مسئلہ زیادہ تر شہروں کے مسلمانوں کے لیے ہے کیوں کہ پورب کے مسلمان کسانوں کی زبان وہی ہے جس میں ملک محمد جائسی نے پدماوت، کبیر داس نے اپنے دوہے اور تلسی داس نے رامائن لکھی ہے۔" ۲۱

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

اجنبی سر زمینوں پر آکر بسنے والے سب سے پہلے وہاں کی زبان سیکھتے ہیں تا کہ اس سر زمین کے باشندوں سے راہ رسم بڑھا سکیں۔اس معاشرے کی ثقافت کو سمجھ سکیں۔ کمال الدین بھی اب ایک نئی زبان سیکھ رہا تھا۔ گو کہ وہ کوئی ماہرِ بشریات نہیں تھا لیکن اس کا کردار ماہرِ بشریات سے کم بھی نہیں تھا۔اس کا اندازہ ناول کے اخیر تک جا کر ہو جاتا ہے۔جو زبان وہ سیکھ رہا تھا وہ بنگالی تھی۔جو اودھ اور بِہار کی بولیوں سے زیادہ مختلف نہیں تھی اور سنسکرت سے قریب تر تھی۔ملک کی دیگر جدید زبانوں کی طرح تیزی سے اس کی نشوو نما ہو رہی تھی۔

ناول میں ثقافتی بشریات کے رنگ نمایاں کرنے میں ہندوستان کے مختلف طبقات اور علاقوں کی خواتین کے پہناوے اور رنگ روپ کے بارے میں بھی علاقائی تاثر دکھائی دیتا ہے، جو اپنے عہد کی ثقافت کی شناخت بنتا ہے۔ناول کے پہلے حصّے میں گنگا وادی، دریاے سرجو، اترّ پردیش، کوشل، بہار، ایودھیا، ہمالہ کی ترائی اور شمالی، جنوبی ہند کو الگ کرنے والا پہاڑی سلسلہ منظر نامے کا حصّہ ہے۔ان علاقوں کی ثقافت، تہذیب اور زبان پر ہندوستان کے تین بڑے مذاہب کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔مذہبی اساطیر سے ماخوذ مکالمے، تاریخی صداقتیں، عمارتیں، قصبے، گاؤں اور شہر کا طرزِ تعمیر اپنے عہد کی ثقافت کا آئینہ دار ہے۔

"کیسری ساری والی لڑکی کو جس نے بالوں میں چمپا کا پھول اڑس رکھا تھا۔" ۲۲

"سیاہ لباس پہنے لمبے بال کندھوں پر چھٹکائے مرگ نینی لڑکیاں بانس کے جھنڈوں میں رہتی ہیں۔" ۲۳

"کھیتوں کی منڈیر پر دھانی اور کپاسی ساریاں پہنے کسان عورتیں اِدھر اُدھر جا رہی تھیں۔" ۲۴

"لمبی چوٹی میں موتیا کا گجرا گندھا تھا اور اس کی طلائی کردھنی میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔" ۲۵

اداکاری اور رقص کی تماشا گاہ میں خواتین اور مردوں کے لباس اور ظاہری سراپے کے بارے میں بھی ناول اس عہد کے فنکار اور تھیٹر کی ثقافت بیان کرتا ہے۔

"اس (گوتم) نے کیسری رنگ کے ریشم میں کپڑے پہن رکھے تھے۔اس کے کانوں میں کرن بھوشن جگمگا رہے تھے۔"۲۶

"کستوری کی پنکھڑیوں کا غازہ چہرے پر مل کر، کُم کُم اور کاجل سے آراستہ ہو، نفیس میناکاری کے گہنے پہن کے جب وہ تماشا گاہ میں نمودار ہوئی۔"۲۷

"عورتیں جن کے ماتھوں پر بڑی بڑی سرخ بندیاں اور مانگ میں گہرا اسیندور رچا تھا۔رنگ برنگی سوتی ساریاں پہنے، بچیاں، دھتیوں کے کنارے سنبھالے ہندو، چارخانہ تہمد باندھے مسلمان جن کی زیادہ تر داڑھیاں تھیں۔"۲۸

ہندوستان کی کثیر ثقافتی جھلک جا بجا دکھائی دیتی ہیں۔اس خطے میں ان گنت اسرار تھے۔کیا کچھ تھا جو یہاں نہیں تھا۔ایک طرف اپنا عظیم الشان ورثہ اور دوسری جانب جدید انگریزی تمدن۔مذہب، آرٹ، فلسفہ، رمزیت، تصوف، ادب، موسیقی۔۔۔انگریز گولہ گنج والی حویلی میں بیٹھ کر محرم کے جلوس کا نظارہ کرتے تھے۔ہندوستان میں بھانت بھانت کے لوگ بستے تھے۔مرہٹی، گجراتی، بنگالی، مدراسی، اڑیہ، نیپالی، پنجابی، پٹھان، یوپین، امریکن، برمی، سنگھالی، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا شاید کہ جہاں کی زبان یہاں نہ سنی گئی ہو۔

شراوستی کا ثقافتی ماحول بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔اجتماعی ثقافت کے ساتھ ساتھ مخصوص انسانی طبقات اور نسلوں کی ثقافت بھی ناول کا حصّہ ہے۔بیشتر جگہ میں انسانی نسلوں کے امتیازات کی وضاحت ثقافت کے ذریعے ملتی ہے۔کم تر نسل کی ثقافت کو بھی ان کے کسی نہ کسی عمل کے ذریعے کم تر ہی ثابت کیا جاتا ہے۔یہاں تک کہ کم تر مانی جانے والی نسل کے حصّے میں پیشے بھی وہ رکھے گئے جنھیں سماجی اعتبار سے کم تر شمار کیا جاتا ہے۔

> "الگ الگ محلوں میں کاری گر، سنار، بزاز، آڑھتی اور دوسری پیشہ ور جماعتیں آباد تھیں۔ان کی اپنی اپنی منڈلیاں تھیں، اپنے قوانین۔چوروں تک کی کنڈلی مع ایک باضابطہ شاستر کے موجود تھی۔بارہ مہینے چہل پہل رہتی۔ہمیشہ کوئی نہ کوئی تہوار منایا جاتا۔ہر شخص اپنے اپنے کام میں منہمک تھا۔مصوروں اور سنگ تراشوں کی ٹولیاں نگار خانوں میں مصروف رہتیں۔ناٹک منڈلی میں صبح سے کھیل شروع ہو جاتا اور دن بھر جاری رہتا۔ناءک اور ان کی زرق برق کپڑے پہنے، چہروں پر روغن لگائے مشہور تمثیلیں پیش کرتیں۔چوراہوں پر مداری اپنے کرتب دکھلاتے۔بھنگ کی دکانوں پر آوارہ گردوں، اچکوں اور ٹھگوں کا مجمع رہتا۔تہواروں کے موقع پر بنجارے تاڑی پی کر زور زور سے گاتے پھرتے۔ڈوم نقلیں

کرتے۔ ویش ناریاں چھن چھن کرتی اپنی گلیوں میں ٹہلتیں۔ امیر زادیاں سولہ سنگھار کیے تھالوں میں گھی کے چراغ جلائے مندروں کی اور جاتی نظر آتیں۔ عود اور لوبان کی خوشبو سے فضا بوجھل ہو جاتی۔ ۲۹؎

قرۃ العین حیدر نے ہندوستان میں ذات پات کے مضبوط نظام کے تحت چلنے والی ریاستوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے سماجی و ثقافتی بشریات کے ایک اہم حصّے، نسلیات نگاری کو ناول میں شامل کیا ہے۔ نسلیات نگاری میں علاقائی نسلی گروہوں کی امتیازی خصوصیات اور اس نسل کی قدیم رسوم اور روایات کے بارے میں تفاصیل بیان کی جاتی ہیں۔ یہ انسانی معاشروں میں نسلی برتری اور کمتری کا اظہار صرف ثقافتی سطح پر نہیں رہتا بلکہ سماجی حیثیت بھی کم تر اور برتر ہونے کا ثبوت دیتی ہے، چاہے کوئی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھنے والا ہی کیوں نہ ہو، اگر مالی لحاظ سے وہ معاشرے میں مستحکم نہیں ہے تو اسے کم تر ہی سمجھا جائے گا۔ ناول میں مذکور برہمن، جسے اعلیٰ نسل ہونے کا شرف حاصل ہے، سماجی اعتبار سے بھی نمایاں حیثیت کا مالک ہے کیوں کہ اس کا مکان سب سے اُونچا تھا۔ اُس کا باپ بہت دولت مند آدمی تھا اور اس کی بہن کا بیاہ حکومت کے ایک اعلیٰ عہدے دار سے ہوا تھا۔ ۳۰؎ سماجی رتبے کی اُونچ نیچ کے مطابق ہی الگ الگ بستیاں ہر سماج کا حصّہ ہیں۔ اسی کے مطابق ہی پیشوں کی تقسیم کی گئی ہے۔

"رتھ کار، مٹی کے برتن بنانے والے، کلال اور بید کی ٹوکری بُننے والے شہر سے باہر رہتے تھے۔ آبادی سے باہر الگ تھلگ چنڈالوں کی بستی تھی۔ ان کا پنجم طبقہ چار ذاتوں سے کم تر تھا۔ محض لاشیں اُٹھانا اور مُردے جلانا ان کی قسمت میں لکھا تھا۔ یہی ان کا پیشہ تھا۔ وہ صرف مُردوں کی اُترن پہن سکتے تھے۔ ان کو حکم تھا کہ ٹوٹے پھوٹے برتنوں میں کھانا کھائیں اور محض کانسی کے گہنے استعمال کریں۔ ۳۱؎

انسانوں کے درجات کا تصور، خود انسان کی پیداوار ہے۔ دنیا کے کسی دین، دھرم میں ایسا کوئی تصور کبھی موجود نہیں رہا۔ شراوستی میں کپلاوستی کے شاکیہ منی آکر آباد ہوئے تھے اور انھوں نے اپنے واعظوں میں یہ تصور عام کرنے کی کوشش کی کہ آدمی پیدائش کی بنا پر نہیں بلکہ عمل کی بنیاد پر ملیچھ یا اچھوت بنتا ہے۔ اس تصور کو عام کرنے کے ساتھ ہی خود برہمنوں کا رویہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ گوتم جو کہ ایک طالب علم تھا اور طالب علم کو حکم تھا کہ وہ نسل کے غرور اور شہرت اور نیند کی تمنا سے دور رہے اس کے باوجود گوتم اور اس کے جمہوریت پسند ساتھی شودروں کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

مگدھ کا علاقہ ویدک عہد سے ہی کبھی پوری طرح برہمنوں کے زیرِ اثر نہیں رہا۔ یہاں کی آبادی مخلوط رہی۔ مگدھ کا دارالحکومت پاٹلی پتر جو موجودہ عہد میں پٹنہ کے نام سے جانا جاتا ہے، کے تخت پر اجات سترو کے پوتے کے بعد مہانندپدم قابض ہوا تھا۔ جس کی ماں شُودر تھی اور باپ نائی۔ سارے ہندوستان میں برہمنوں اور کھشتریوں کا راج تھا لیکن مگدھ میں مہاپدم پتی کے عہد سے کھشتریوں کی حکومت کا خاتمہ اور شودروں کی حکومت کا آغاز ہو تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم کے لیے نسلی اعتبار سے برتر ہونے سے زیادہ ضروری سماجی رتبے میں اعلیٰ حیثیت کی ضرورت تھی۔

ناول میں موجود سماجی منظر نامہ چانکیہ کے عہد کو بھی پیش کرتا ہے۔ جب معدنیات، بازار، منڈیاں، نہریں، آبپاشی، شفاخانے، مالیات، تجارتی گودام، امورِ خارجہ، دفاع، چراگاہوں، حصول، شادی، طلاق، وراثت کے قوانین، تعلقاتِ عامہ وغیرہ کے الگ الگ محکمے قائم کیے گئے۔ جاسوسی کی تربیت دی جانے لگی۔ جو برہمن اپنے علم کے ذریعے روزی کمانے کے قابل نہیں ہوتا تھا وہ بھی جاسوس بن سکتے تھے۔ کم تر پیشوں سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اپنی قابلیت کے زور پر جاسوسی کے محکمے میں شامل ہونے کی اجازت تھی۔ جرائم کی بیخ کنی کے لیے بھیدی کام کرتے تھے۔ اس لیے سارے علاقے میں امن تھا، کیوں کہ "چندر گپت بڑا زبردست بادشاہ تھا۔۔۔ اس کے دربار میں ملیچھ دوسری زبان بولنے والے غیر ملکی لوگوں کا ہجوم ہے۔ دور پچھم کی سفید فام لڑکیاں محل میں۔۔۔ واسیوں کی حیثیت سے ملازم ہیں۔" ۳۲؎ قدیم ہندوستان کے تذکرے میں شامل ہونے والا نسلیات کا حصّہ ناول میں عہد بہ عہد دکھائی دیتا ہے۔ برِصغیر میں انگریزوں کی آمد کے بعد یہاں کے تمام باسی ہی نسلاً کمتر درجے پر فائز ہو گئے تھے۔

"یہ طے شدہ بات تھی کہ نیٹو بلحاظ نسل کم تر تھے۔ ایشائی سارے اور ہندوستانی بالخصوص گھٹیا درجے کے انسان تھے۔ عثمانی ترکوں سے بھی بدتر کیوں کہ عثمانی تُرک کم از کم سفید فام تو تھے۔ نیٹو چوں کہ نسلاً گھٹیا ہیں، لہٰذا ان کے دماغ بھی بے حد پست ہیں۔۔۔ سرل کے سارے ساتھی ٹھاٹھ سے سیٹی بجاتے جہاز سے اُترے اور بہت سے سیاہ فام انسانوں نے آکر ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور دوڑ دوڑ کر ان کا اسباب اتارنے میں مشغول ہو گئے۔۔۔ کونے میں حبشی لڑکا لپا جھپ اس

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

کے جوتوں پر پالش کر رہا تھا۔ سے یہ لڑکا دوسرے غلاموں کے ساتھ ڈغاسکر سے بر آمد کیا گیا تھا اور جتنی دیر وہ کمرے میں رہا، سرل کو بڑی وحشت محسوس ہوتی رہی۔ مگر بہر حال یہ مشرق تھا۔"۳۳

سفید فام نسل سے تعلق رکھنے والوں نے سیاہ فام سے ہمیشہ نفرت کی اور انھیں خود سے حقیر سمجھا۔ اس رویے کی بنیاد ظاہری رنگ اور روپ پر تھی۔ سرل اپنے باقی ہم نسل لوگوں کی طرح ہی طبقاتی نظام کا قائل تھا۔ ہند میں اس فرق کو انھی لوگوں نے ہوا دی۔ لبرل ازم کا پرچار کرنے والے خود کالے، گورے کی تقسیم سے کبھی باہر نہ آ سکے۔ انگریز کا خیال تھا کہ ہند میں آ کر بسنے والے گورے، کالوں کی اچھوت لگ جانے سے اپنے درجے سے گر جاتے ہیں۔

"پیٹر جیکسن نے اسے جہاز پر نصیحت کی تھی کہ یوریشین قوم سے میل جول بالکل نہ بڑھانا۔ پچھلی صدی میں ہمارے ہم وطنوں نے یہاں آ کر کالی عورتوں سے اتنی شادیاں کیں اور تعلقات قائم کیے کہ لے کے پورے نسل کا سیاہ فام بنا دیا۔"
۳۴

نسلیات نگاری کا علم بھی تعصب سے مبرا نہیں ہے۔ یورپی نسل نے اس علم کو غیر یورپی اقوام تک محدود کر دیا ہے۔ در اصل یہ علم نسل پرستی کے ساتھ منسلک ہے۔ تقسیم ہند کے معاملات کا آغاز ہوا تو یہ برتری اور حقارت کا احساس صرف ذات پات اور رنگ و نسل تک محدود نہیں رہا بلکہ مذاہب کی بنیاد پر بھی کوئی اعلیٰ اور کوئی حقیر متصور ہوا۔ کوئی اس لیے قابلِ نفرین ہوا کہ مسلمان ہے اور کوئی اس لیے مصلوب ہوا کہ ہندو یا عیسائی ہے۔

"آگ کا دریا" کو بشریات کے تناظر میں دیکھنا اس لیے اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ قرۃ العین حیدر نے شعوری طور پر بشریاتی عناصر کو اس ناول کا حصّہ بنایا ہے۔ ناول کے آخری حصّے میں باقاعدہ طور پر کمال الدین کے ذریعے بشریات کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ ثقافتی و سماجی بشریات، مذہبی و لسانی بشریات کے ساتھ ساتھ آثاریات کے باب میں بھی ہمیں بہت سے منظر نامے دکھائی دیتے ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ کا ہندوستان، پرانی دلّی کی عمارتیں، اجمیر شریف، خاندیش، بنگال، احمد آباد، گجرات، جودھ پور کی مسجد، رانی سپاری کی مسجد، دھروار، مانڈو کا ہنڈولا محل، باز بہادر کا محل، کالپی کا چوراسی گنبد، جونپور کی اٹالا دیوی کی مسجد، بہمن بادشاہوں کی عمارتیں، سری نگر کی پگوڈا ایسی چوبی مساجد، بیدار اور گلبرگہ۔ اس کے علاوہ پاکستان کے حصّے میں آنے والے آثار کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

"پچھم میں سندھو کنارے بسے ہوئے شہروں پر اِندر کا قہر ٹوٹا۔ ہری یوپیا کا نگر میدانِ کارزار میں تبدیل ہو گیا۔ جہاں اِندر کے زرہ بکتر میں ملبوس سپاہی لڑے اور فتح یاب ہوئے۔ سندھو کا شہر۔۔ جہاں کہنیوں تک کپڑے پہنے، ماتھے پر تِلک لگائے، گلے میں سیاہ پوتھ پہنے، کندن کے رنگ والی سہاگنیں، شِو، دُرگا، دیپ لکشمی اور پیپل کی دیوی کی آرتی اتاریں۔" ۳۵

ان تمام مقامات کے علاوہ اڑیسہ، مدراس، حیدر آباد، کیرالا اور نیلگری کے پہاڑوں میں سرل گھومتا رہا تھا۔ ہند کے جنگلات میں بسنے والے قبائل میں سے "چکمہ، ماگھ اور مونگ قبیلے بانس کے جھونپڑوں میں زندگی گزارتے تھے۔ یہاں سڑکیں نہیں تھیں۔ اس لیے بیسیوں میل سفر کر کے، رزق کی تلاش میں رانگاماٹی آتے تھے۔ نہ یہاں سڑکیں تھیں نہ ریل گاڑیاں یا ہوائی جہاز کی سروس، یہ حسین ترین، پُر امن علاقہ، 'وحشیوں کا ملک' کہلاتا تھا۔" یہ جگہ اینتھروپولوجسٹ کے لیے جنت ہے۔ جونی کہتا اور ان کو اپنے ساتھ لوکیشن پر گھسیٹ کر لے جاتا۔" ۳۶

شراوستی کا گوتم، جو عہدِ قدیم میں مجسمہ ساز تھا، گپتا عہد کا مجسمہ ساز، اس کے بنائے گئے مجسمے عہدِ جدید میں سرل اور کمال کے سامنے عجائب گھر کی زینت تھے۔ سرل کو آثارِ قدیمہ میں خاص دل چسپی تھی۔ وہ کمال کو راج شاہی لے جا کر گپتا عہد کی سنگ تراشی کے شاہکار دکھانا چاہتا تھا۔ سرل کسی ماہرِ آثارِ قدیمہ کی طرح کمال کو تمام معلومات دے رہا تھا۔

" تم کو آرکیالوجی میں کب سے دخل ہو گیا؟۔۔۔ عہدِ عتیق اور قرونِ وسطیٰ کے مجسموں نے کمال کو اپنی بے نور آنکھوں سے گھورنا شروع کیا۔۔۔ دربار ہال میں وائسرائے ہند کے تخت کی جگہ مہاتما بدھ کا شاندار قدیم مجسمہ ایستادہ تھا۔۔۔ چاروں طرف برٹش میوزیم کا سا ماحول تھا۔۔۔ "یہ تو عارضی میوزیم ہے۔" اس کے قریب آکر کماری ارونا نے معذرت خواہ انداز میں کہا۔ "ہمارا زیرِ تعمیر قومی عجائب خانہ ہمارے ورثے کے شانِ شایان ہو گا۔۔۔ کماری ارونا اسے سنگِ مرمر کی گیلریوں میں گھماتی پھری" چن ہو دارو، موہن جو داڑو، وادی سوات، ہڑپہ، ٹیکسلا، روپڑ، اب ہم موجودہ زمانے کے قریب آتے جا رہے ہیں۔ اس نے ایک جگہ رک کر کہا" یہ پتھر دیکھیے، یہ اشو میدھ تیسری صدی قبل مسیح میں دہرہ دون کے علاقے میں منعقد کیا گیا، یہ رہی چھتر کے مجسمے ہیں۔ رہی چھتر کو اب ضلع بریلی کہتے ہیں"۔۔ "یہ شراوستی کی کھدائی سے اِسی سال نکلا ہے۔"۔۔ "سرخ مٹّی کی اس مورتی کا سنہ غالباً چوتھی صدی قبل مسیح ہے۔"۔۔۔۔ "فنِ سنگ تراشی کے آئندہ نظریوں کی داغ بیل یہیں سے پڑی۔" ڈاکٹر کریم نے کہا۔ "یہ متھرا سے پہلے کا زمانہ ہے۔ اب ہمیں اس فن کی تاریخ کے متعلق بہت سی تھیوریز کو بدلنا پڑے گا۔۔۔ اس عہد کے فنکاروں کے سامنے یہ مسئلہ رہا ہو گا کہ خیال محض علامت کے ذریعے دیکھنے والے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس نظریے نے ویدوں کے عہد کے بعد اصنام پرستی کی ترویج کی۔" ارونا نے اظہارِ خیال کیا۔" ۳۷

مندرجہ بالا طویل اقتباس، "آگ کا دریا" کے تمام بشریاتی پہلو بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے لاتا ہے۔ اس میں اسی مجسمے کا ذکر ہے جو ناول کے ابتدائی عہد میں گوتم نے بنایا تھا۔ سدرشن یکشنی، جو کدم کی ٹہنی جھکائے درخت کے تنے سے لگی کھڑی تھی۔ یہی مجسمہ آثاریات کے ایک عجائب خانے میں پڑا تھا۔ "آگ کا دریا" کے بارے میں سراج منیر اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ یہ ناول:

"زندہ انسانوں کے درمیان جذبوں کے تعلق اور انسانی گروہوں کی اجتماعی علامتوں سے وابستگیوں اور ان سب کے درمیان کائناتی تقدیر کی کار فرمائیوں کا مطالعہ ہے۔" ۳۸

ناول کے آغاز میں نظریہ تناسخ سے متعلق نظم بیان کی گئی تھی لیکن اس ناول کا موضوع صرف یہی ایک نظریہ ہر گز نہیں ہے۔ اس بارے میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ دوبارہ نظریۂ تناسخ کا ذکر اس لیے آیا کہ ناول کا اختتامی منظر نامہ، ابتدائی منظر نامے کا اعادہ پیش کرتا ہے۔ یعنی ابتدائے آفرینش ہی انتہائے آفرینش نظر آتی ہے۔ جہاں سے چلے تھے، وہیں، اسی مقام پر اختتامِ سفر کرتے ہیں۔ دائروں میں چلتا، ناول میں موجود انسانوں کا سفر، بشریات کے دائرے میں آگے بڑھتے ہوئے اُسی منظر پر آ ٹھہرتا ہے، جہاں سے گوتم نے عہدِ قدیم سے قرونِ وسطیٰ اور عہدِ جدید کی جانب قدم بڑھائے تھے اور بشریات کا آغاز و انجام بھی وہیں سے ہوتا ہے جہاں سے انسان کا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، "مختصر تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، اردو ادب (جلد پنجم) بیسویں صدی (شعری و افسانوی ادب)" لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء، ص، ۲۲۵
۲۔ ڈاکٹر جمیل اختر، "قرۃ العین حیدر: تفہیم کے متنوع زاویے" علی گڑھ: ناشر، ڈاکٹر جمیل اختر، ۲۰۲۲ء، ص، ۹
۳۔ قرۃ العین حیدر، "آگ کا دریا" لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص، ۵۴
۴۔ ایضاً، ص، ۱۳۶
۵۔ ایضاً، ص، ۲۶، ۲۵
۶۔ ایضاً، ص، ۳۳۱
۷۔ ایضاً، ص، ۳۷
۸۔ ایضاً، ص، ۷
۹۔ ایضاً، ص، ۸
۱۰۔ ایضاً، ص، ۹
۱۱۔ ایضاً، ص، ۱۵

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

۱۲۔ ایضاً، ص، ۲۴

۱۳۔ ایضاً، ص، ۱۰۶

۱۴۔ ایضاً، ص، ۱۲۷

۱۵۔ ایضاً، ص، ۲۳۶، ۲۳۵

۱۶۔ ایضاً، ص، ۷۴، ۷۳، ۷۲

(راس لیلا: وہ کھیل یا رقص جو کرشن نے کارتک بدر کی نیم شب میں گوپیوں کے ساتھ کیا تھا۔ وہ تہوار جو اس رقص کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ شرنگار رس: سنسکرت کے علمِ بلاغت کی رُو سے رس یا کیفیت کی نو اقسام میں سے ایک، وصل و ہجر، حسن و عشق کے جذبات۔ کام دیو: خواہشِ نفسانی کا دیوتا۔ روپا: خوب صورت۔ کال: موت، موت کا وقت، موت کا فرشتہ، زمانہ، موسم، نیز سم اور تال کے درمیان کا وقفہ یا سکون کو بھی کہتے ہیں۔ گندھرو: موسیقی کی ایک تال، سورگ میں گانے بجانے کے کام کا دیوتا، ایک ذات جس کی لڑکیاں موسیقی، رقص اور طوائفی کا کام کرتی ہیں۔)

۱۷۔ قرۃ العین حیدر، "آگ کا دریا"، ص، ۸۹، ۸۸، ۵۱

۱۸۔ ڈاکٹر جمیل اختر، "قرۃ العین حیدر: تفہیم کے متنوع زاویے" علی گڑھ: ناشر، ڈاکٹر جمیل اختر، ۲۰۲۰ء، ص ۱۱، ۱۰

۱۹۔ قرۃ العین حیدر "آگ کا دریا" ص، ۳۴۲

۲۰۔ ایضاً، ص، ۳۴۵

۲۱۔ ایضاً، ص، ۵۹

۲۲۔ ایضاً، ص، ۷

۲۳۔ ایضاً، ص، ۱۸

۲۴۔ ایضاً، ص، ۲۰

۲۵۔ ایضاً، ص، ۸۴

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ ایضاً، ص، ۹۰

۲۸۔ ایضاً، ص، ۵۱۵

۲۹۔ ایضاً، ص، ۲۲

۳۰۔ ایضاً، ص، ۱۰

۳۱۔ ایضاً، ص، ۲۳، ۲۲

۳۲۔ ایضاً، ص، ۸۲

۳۳۔ ایضاً، ص، ۱۴۹، ۱۴۸

۳۴۔ ایضاً، ص، ۱۵۹

۳۵۔ ایضاً، ص، ۳۷

۳۶۔ ایضاً، ص، ۵۲۴

۳۷۔ ایضاً، ص، ۵۶۴، ۵۶۳، ۵۶۲

۳۸۔ سراج منیر، "قرۃ العین حیدر: ایک مطالعہ" مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، اسلام آباد: شمارہ، ۱۲۲، ۱۲۱، خصوصی نمبر: اُردو ناول، ڈیڑھ صدی کا قصّہ، جلد اوّل، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۹ء، ص، ۱۷۳